رسائل و مسائل

قرار داد مقاصد اور ہمارا آئندہ دستور

سوال :-

مجلس دستور ساز پاکستان کی منظور کردہ قرار داد مقاصد متعلقہ دستور پاکستان میں ایک شق حسب ذیل ہے۔

"جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی کو اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔"

اس کام کا اصل تعلق تو دراصل حکومت کے انتظامی امور سے ہے۔ کہ وہ اس کے لئے کیا کیا اقدام کرتی ہے۔ قانونی طور پر حکومت کو مجبور کرنے نیز اس سلسلہ میں غفلت یا عدم تعاون یا معاندانہ رویہ اختیار کرنے کی صورت میں دستور میں کیا کیا (Provision) ہونی چاہئیں کہ یہ مقصد بروئے کار آجائے نیز دستوری طور پر حکومت کو اس سلسلہ میں غفلت برتنے، عدم تعاون یا معاندانہ رویہ اختیار کرنے کی صورت میں کس طرح سے روکا جاسکے۔ اور ایک شہری کو حکومت کے خلاف عدلیہ کے سامنے اس بات کو لانے کے لئے کیا کیا تدابیر ہونی چاہئیں۔

جواب :-

آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ان دو بنیادی غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے جن پر یہ سوالات مبنی ہیں۔

پہلی غلط فہمی جو آپ کے سوالات میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ آپ قرار داد مقاصد کو ایک قابل تجزیہ چیز سمجھ رہے ہیں۔ اور آپ کا گمان یہ ہے کہ اس کی مختلف شقوں کے کچھ الگ الگ تقاضے اور مطالبات ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے زیر ترتیب دستور میں کچھ جدا جدا آئینی صورتیں تجویز کی جانی چاہئیں حالانکہ

دراصل یہ قرارداد ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ جس کا بحیثیت مجموعی ایک مزاج اور ایک ہی منشا ہے اور وہی منشا اور مزاج اس کی ہر شق کا ہے۔ اس کی کسی شق کو بھی صحیح طور پر جامۂ عمل نہیں پہنایا جا سکتا جب تک کہ ہماری مملکت کا پورا دستور اس قرارداد کے منشا اور مزاج کے مطابق ڈھلا ہوا نہ ہو۔ اور اس کی ہر شق اپنا حق پا سکتی ہے اگر یہ پوری قرارداد اپنی اصلی روح کے ساتھ دستورِ مملکت کی شکل اختیار کرے۔

دوسری غلط فہمی آپ کے سوالات میں یہ نظر آتی ہے کہ اگر پوری قرارداد کے معاملہ میں نہیں تو کم از کم قرارداد کی اس شق کے معاملہ میں تو آپ صریحاً جو کچھ سوچ رہے ہیں محض تحفظ اور تدارک کے نقطۂ نظر سے سوچ رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے سامنے اصل سوال قراردادِ مقاصد کو اس کے تمام اجزاء سمیت نافذ کرنے کا ہے نہ کہ اس سے یا اس کی کسی شق سے فرار کی روک تھام کرنے کا۔ قراردادِ مقاصد ریاستِ پاکستان کو اصولی ریاست (Ideological State) کی حیثیت دے چکی ہے۔ اور اس نے قطعی طور پر وہ آئیڈیالوجی بھی متعین کر دی ہے، جس پر اس ریاست کی بِنا قائم ہے۔ اس کے بعد جو کام ہمیں کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی مملکت کا دستور اس طرح مرتب کریں کہ اس کے ماتحت جو حکومت بنے اس کا سارا نظام اس آئیڈیالوجی کو نافذ کرنے والا ہو۔ یہ کام اگر ہم نے صحیح طور پر کر لیا تو قراردادِ مقاصد کی ہر شق اسی بنیادی آئیڈیالوجی کے مطابق جامۂ عمل پہن لے گی، اور اس صورت میں کسی خاص شق کے لئے الگ تحفظات کی ضرورت نہ رہے گی۔ بلکہ سب کے لئے وہی تحفظات کافی ہوں گے جو پورے دستور کی حفاظت کے لئے ہر دستور میں رکھے جاتے ہیں۔

ان غلط فہمیوں کے رفع ہو جانے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ محض شق (ج) کے لئے تحفظات تجویز کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نہ اس طرز پر سوچنے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اس کے بجائے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم نے قراردادِ مقاصد میں جس آئیڈیالوجی کو اپنی مملکت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ وہ بجائے خود کیا ہے، اس کا قراردادِ مقاصد کی مختلف شقوں کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس کو دستور میں ثبت کرنے کی صورت کیا ہے: اس چیز کو اگر اچھی طرح سمجھ کر زیرِ ترتیب دستور میں ٹھیک ٹھیک ثبت کر دیا جائے گا تو قراردادِ مقاصد کی دوسری شقوں کی طرح شق (ج) کے منشا کو بھی

ہمارا سارا انتظام حکومت بحیثیت مجموعی پورا کرے گا۔ اور اس کے لئے الگ تدابیر (provisions) کی بہت کم ضرورت باقی رہے گی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا، تو پھر خواہ آپ کتنے ہی تحفظات تجویز کریں اور تدارک کی کتنی ہی صورتیں رکھ دیں، نظام حکومت کی پوری مشین اس مقصد کے خلاف چلے گی جیسے شق (ج) میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱) قرارداد مقاصد جس آئیڈیالوجی پر مبنی ہے اس کا اقرار وا علان اس قرارداد کے دیباچے میں کردیا گیا ہے۔ اور وہ حسب ذیل اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہے۔

اوّل یہ کہ "حاکمیت ساری کائنات پر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود پاکستان کی حاکمیت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے؛ کوئی خاندان، طبقہ، نسل، قوم یا باشندگان پاکستان کا مجموعہ اس حاکمیت کا حامل نہیں ہے۔

دوم یہ کہ ریاست پاکستان کو جو اقتدار حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے اور اس کی طرف سے ایک "مقدس امانت" (Sacred Trust.) کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ریاست اپنے مستقل بالذات اقتدار کی مدعی نہیں ہے بلکہ وہ اس مملکت میں اصل مقتدر اعلیٰ، یعنی رب العالمین کی نائب، خلیفہ اور امین کی حیثیت سے کام کرے گی۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اقتدار اس ریاست کے حکمرانوں کو براہ راست نہیں سونپ دیا ہے۔ بلکہ "پاکستان کے باشندوں کے ذریعے سے سونپا ہے"۔ بالفاظ دیگر اس امانت اقتدار کے اور اس خلافت و نیابت کے اصل حامل جمہور پاکستان ہیں۔ اور وہی اس اقتدار کو ان لوگوں کے حوالے کریں گے جنہیں وہ ریاست کا انتظام چلانے کے لئے پسند کریں۔ یہ چیز اسلامی جمہوریت کو ایک طرف مغربی طرز کی جمہوریت سے ممیز کردیتی ہے اور دوسری طرف پاپائی تھیوکریسی سے۔

چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ریاست پاکستان کو اس کے باشندوں کے ذریعہ سے جو اختیارات سونپے ہیں وہ اس لئے سونپے ہیں کہ وہ ان کو اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر استعمال کرے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ ہم کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا علم اس کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے لامحالہ اس فقرے کا منشا یہ ہے کہ ریاست پاکستان اپنے ان مفوضہ اختیارات کو قرآن و سنت کے مطابق حدود اللہ کے اندر استعمال کرنے کی پابند ہو گی۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا اسے حق نہ ہو گا۔

یہ ہے وہ آئیڈیالوجی جس پر اپنی ریاست کی بنیاد رکھنے کا ہم فیصلہ کر چکے ہیں۔ لازم ہے کہ اسی پر ہمارے دستور کی بنا رکھی جائے۔ اور اس کے ٹھیک ٹھیک ثبت کرنے کی صحیح آئینی صورت یہ ہے کہ زیر ترتیب دستور کی چار مستقل دفعات میں اس بنیادی عقیدے کے چاروں مذکورہ بالا اجزاء کو واضح اور غیر مشتبہ زبان میں بیان کر دیا جائے۔

(۲) بنیادی عقیدے کی توضیح و تعیین کے بعد قرارداد مقاصد اس عملی نظام کی تشریح کرتی ہے جو اس عقیدے پر بنایا جائے گا۔ یہ نظام تین بڑے اجزاء پر مشتمل ہے:

ایک وہ جو عام ملکی معاملات سے متعلق ہے،

دوسرا وہ جو ریاست کی مسلمان اکثریت سے متعلق ہے،

تیسرا وہ جو ریاست کی غیر مسلم اقلیت سے متعلق ہے۔

قرارداد مقاصد کے دیباچے نے یہ بات پہلے ہی طے کر دی ہے کہ ان تینوں اجزاء کے بارے میں جس قدر بھی دستوری تفصیلات مرتب کی جائیں گی وہ لازماً اسی آئیڈیالوجی پر مبنی ہوں گی جو اس دیباچے میں بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کے بارے میں بھی کوئی ایسی دستور سازی جائز نہ ہو گی جو اس اعلان کردہ بنیادی عقیدے کے خلاف ہو۔ جو لوگ دستور سازی کے کام میں کسی طور پر حصہ لے رہے ہوں ان کا فرض ہے کہ اس بات کو پوری ایمانداری کے ساتھ ملحوظ رکھیں اور اپنے شرکاء کار کو اس راستے سے ہٹنے نہ دیں۔

(۳) عام ملکی معاملات کے بارے میں قرارداد مقاصد کی شق (ب) یہ طے کرتی ہے کہ دستور مملکت کی ترتیب میں "جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی عدل و انصاف کے ان

اصولوں کی پوری طرح پیروی کی جائے گی جو اسلام نے ہم کو بتائے ہیں۔ نیز شق (ھ) یہ بھی طے کرتی ہے کہ زیر ترتیب دستور میں باشندگانِ ملک کو چند بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی جن میں خاص طور پر یہ حقوق شامل ہوں گے: مرتبے اور مواقع کی مساوات، قانون کی نگاہ میں سب افراد کا یکساں ہونا، تمدنی، معاشی اور سیاسی انصاف، خیال، بیان، عقیدہ، ایمان، عبادت اور اجتماع کی ایسی آزادی جو قانون اور اخلاقِ عامہ کے تابع ہو۔

ان سب امور کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ پہلے جمہوریت، آزادی، مساوات، معاشی اور اجتماعی عدل و انصاف کے اسلامی مفہومات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، پھر ان کو دستور کے مختلف ابواب اور دفعات میں حسبِ موقع ثبت کیا جائے۔ یہ اصطلاحات دنیا کے بہت سے فکری نظاموں میں مشترک ہیں۔ مگر ہر ایک میں ان کے مفہومات دوسرے نظاموں سے الگ ہیں۔ اشتراکی ان کو کسی معنی میں استعمال کرتا ہے، مغربی جمہوریت پسند ان کے کچھ اور معنی لیتے ہیں، اور اسلام میں ان کے معنی کچھ اور ہیں۔ ہم کو ان کی مختلف تعبیرات میں سے لازماً وہ تعبیر اختیار کرنی ہے جو خالص اسلامی ہو، اور ان تعبیرات سے بچنا ہے جو دوسروں کے ہاں رائج ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام میں دوسرے نظاماتِ فکر کے برعکس جمہوریت مطلق العنان نہیں ہے، بلکہ حدود اللہ کی پابند ہے۔ اس لئے ہماری پارلیمنٹ کثرتِ رائے سے یا بالاتفاق کوئی قانون نہ بنا سکتی ہے نہ ایسے کسی قانون کی منظوری دے سکتی ہے جو خدا اور رسول کے احکام سے ٹکراتا ہو۔ قانون سازی کے معاملہ میں اس کی آزادی صرف مباحات تک محدود رہے گی، رہے وہ معاملات جن میں کسی نہ کسی طرح کے شرعی احکام موجود ہیں، تو ان میں وہ لازماً نصوصِ کتاب و سنت ہی سے مسائل کا استنباط کرنے پر مجبور ہوگی۔ ہمارے دستور کے بابِ قانون سازی کی اولین دفعہ میں اس مضمون کی تصریح ہونی چاہیے اور اس کے ساتھ ایک خاص مدت بھی اس غرض کے لئے مقرر کی جانی چاہیے کہ اس کے اندر اندر انگریزی دور کے وہ تمام قوانین منسوخ یا تبدیل کر دیئے جائیں گے جو احکامِ خدا و رسول کے خلاف ہماری مملکت میں رائج ہیں۔

اسی طرح بنیادی حقوق کے معاملہ میں بھی ہم کو دوسروں کی تقلید نہیں کرنی ہے، بلکہ اپنے

شہریوں کو وہ حقوق دیتے ہیں جو خدا اور رسول کی شریعت نے ان کو دیئے ہیں، اور ان کے حقوق پر وہ پابندیاں عائد کرتی ہیں جو اسلامی قانون اور اسلامی نظام اخلاق نے ان پر عائد کی ہیں۔ جو آزادی اسلام اپنی مملکت کے شہریوں کو نہیں دیتا وہ ہمارے دستور میں ان کو ہرگز نہیں دی جاسکتی، خواہ تمام دنیا میں ان کو دی گئی ہو، اور جس آزادی سے اسلام نے ان کو بہرہ ور کیا ہو ہم اسے سلب کرنے کی کوئی گنجائش اپنے دستور میں نہیں رکھ سکتے، خواہ دنیا کے دوسرے دستوروں میں ایسی گنجائشیں کتنی ہی فراخ دلی سے رکھ دی گئی ہوں۔ مثلاً اسلام اپنی مملکت کے کسی مسلم شہری کو یہ آزادی نہیں دیتا کہ وہ اس ملک کے اندر رہتے ہوئے اپنا دین تبدیل کرلے، یا ارکان دین کی بجا آوری سے انکار کرے، یا فواحش و منکرات کا علانیہ مرتکب ہو، اور احکام خدا و رسول کی کھلے بندوں خلاف ورزی کرے۔ لہٰذا شخصی آزادی کی یہ تعبیر دوسرے دستوروں میں چاہے جیسی کچھ بھی پائی جاتی ہو، ہم کو اپنے دستور میں صاف صاف اس آزادی کی نفی کرنی پڑے گی۔ بخلاف اس کے دنیا کے بعض دستوروں میں ایسی گنجائشیں رکھی گئی ہیں جن کی بنا پر حکومت ایک شہری کی آزادی اس کا جرم ثابت کئے بغیر اور اس کو صفائی کا موقع دیئے بغیر سلب کرسکتی ہے، لیکن اسلام کسی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے ہمارے دستور میں ایسی کوئی گنجائش نہیں رکھی جاسکتی۔

(۹) ریاست نے مسلم شہریوں کے معاملہ میں قرارداد مقاصد کی شق (۵) میں یہ طے کیا ہے کہ زیر ترتیب دستور میں مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو ان اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن و سنت میں مذکور ہیں منضبط کرسکیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دستور میں مسلمانوں کی حد تک حکومت کے ذمہ چند فرائض واضح طور پر عائد کئے جائیں تاکہ ان کی انجام دہی سے تغافل کرنے کی صورت میں اس سے مواخذہ کیا جاسکے۔ مثال کے طور پر حکومت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ

وہ اس مملکت میں ایسا نظام تعلیم رائج کرے جو الحاد و بے دینی کے رجحانات سے پاک ہو، جس کے ماتحت علم کے تمام شعبوں میں اسلامی آئیڈیالوجی کو بنیادی حیثیت حاصل ہو اور جس میں مسلمانوں

کے لئے قرآن و سنت کی تعلیم لازمی ہو۔

وہ اس ملک میں اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا انتظام کرے، حج کی تنظیم کرے، اور مسلمانوں کو احکام اسلامی کا پابند بنائے،

وہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ان برائیوں سے پاک کرنے کا انتظام کرے جو قرآن و سنت میں ممنوع ہیں،

وہ تہذیب و تمدن اور معاشرت و معیشت کے تمام شعبوں میں ان اصولوں کی پابند رہے اور اپنے اصلاحی پروگرام کو ان اصولوں پر قائم کرے جو اسلام نے بتائے ہیں،

وہ سرکاری انتظام یا سرپرستی میں ایسے طریقوں کو رواج دینے سے باز رہے جن سے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر قرآن و سنت کی تباہی آتی ہو یا جن سے [illegible] پھیلتی ہو۔

(۵) غیر مسلموں کے بارے میں قرارداد مقاصد کی شق (ح) یہ طے کرتی ہے کہ ریاست پاکستان کے دستور میں اقلیتوں کے لئے اس امر کی کافی گنجائش رکھی جائے گی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی پیروی اور اس پر عمل کرسکیں اور اپنی تہذیب کو ترقی دے سکیں۔ نیز شق (ذ) میں یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ اقلیتوں، پسماندہ اور پست طبقوں کے جائز مفاد کی حفاظت کا کافی بندوبست کیا جائے گا۔ یہ دونوں شقیں بھی لازماً اسی دیباچے کی تابع ہیں جس میں مملکت پاکستان کے بنیادی عقیدے کی تصریح کی گئی ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں بھی ہم دنیا کی غیر دینی جمہوری ریاستوں کی نقل نہیں اتار سکتے بلکہ ہم کو ٹھیک ٹھیک اسلامی اصولوں ہی کی پابندی کرنی ہوگی۔ ہم غیر مسلموں کو وہ سارے حقوق دیں گے جو اسلام کے دستوری قانون نے ان کو دیئے ہیں، خواہ دنیا کی دوسری ریاستوں نے ایسے حقوق اپنی اقلیتوں کو نہ دیئے ہوں۔ اور ہم ان کو ایسا کوئی حق نہ دیں گے جو اسلامی دستور کے الفاظ اور روح کے خلاف پڑتا ہو، خواہ وہ دنیا کی جمہوریتوں میں اقلیتوں کو دیا گیا ہو۔ یہ مسئلہ چونکہ پیش کردہ سوال سے غیر متعلق ہے اس لئے اس پر ہم کچھ زیادہ تفصیلی اظہار خیال نہیں کرسکتے۔ اور ویسے بھی اب اس پر بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان صفحات میں اس سے پہلے اس کے متعلق مفصل بحثیں شائع ہوچکی ہیں۔ (ا۔م)

عورت کے لیے فرضیتِ نماز اور چہرے کا پردہ۔

سوال :- میں حسبِ ذیل دو معاملات میں اطمینان چاہتی ہوں :-

(۱) وہ کون سے احکام ہیں جن کی رو سے یہ ثابت ہے کہ عورتوں پر بھی پانچ وقت کی نماز فرض ہے؟ مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہے۔ لیکن میں اس کی فرضیت سے منکر نہیں ہوں۔ بلکہ احتیاطاً اور خوفِ خدا کی وجہ سے نماز کی سختی سے پابندی کرتی ہوں۔ مگر یہی بات یہ ہے کہ خوش دلی سے نہیں بلکہ بمجبوری۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عورت کے لئے پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کے عام قاعدے کے خلاف ہے۔ مردوں کے اوقاتِ کار کا تعین کرتے ہوئے نمازوں کے لیے گنجائش رکھی جا سکتی ہے مگر عورتوں کے کام اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان میں سے نمازوں کا وقت نکالنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ دقت خاص کر بچوں والی عورت کو پیش آتی ہے جب کہ اس کے پاس بچوں کو سنبھالنے اور کام کاج کرنے کے لیے کوئی دوسرا آدمی موجود نہ ہو۔ نماز کے لیے وقت نکال بھی جائے تو نماز کے دوران میں بچے آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کو پیٹتے ہیں۔ اور ماں کو نماز ہی میں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کسی کو شدید چوٹ نہ آجائے۔ پھر بچے نماز ہی میں بلانے لگتے ہیں۔ اور کسی طرح بیٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نماز میں توجہ قائم نہیں رہ سکتی۔ اور بڑی ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ مغرب کو بچے کھانے اور دودھ کے لیے متقاضی ہوتے ہیں۔ عشاء کو وہ چاہتے ہیں کہ ماں ان کو تھپک کر سلائے۔ اس طرح نماز کے بارے میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب خاص ایام کو عورتوں کو آٹھ آٹھ دن نماز سے چھٹی ہو سکتی ہے تو عام حالات میں ایک آدھ نماز ترک کر دینے سے کیا ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرمایئے کہ نماز میں ستر کی حدود کیا ہیں؟ گرمیوں میں سر، گردن اور بازوؤں کو اچھی طرح اگر ڈھانکا جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کیا تنہائی میں یہ حصے کھلے نہیں رکھے جا سکتے

(۲) پردے کا مسئلہ ایک عرصہ سے میرے لیے ذہنی کوفت کا سبب بنا ہوا ہے۔ میں نے آپ کی کتاب "پردہ" کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ لیکن مجھے اس سے بھی پورا اطمینان نہیں ہو سکا۔ یوں تو اسلام کے متعلق میرے دل میں جس قدر غلط فہمیاں تھیں وہ آپ کے لٹریچر سے بحمد اللہ رفع ہو گئی ہیں۔ لیکن یہ پردہ کا مسئلہ اب بھی حل نہیں ہوا۔ "پردہ"

کے مطالعہ سے میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے اور اس کے مندرجہ احکام کی ضرورت و افادیت سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ مگر چہرے کے باب میں آپ نے جو رائے ظاہر کی ہے وہ مجھے مطمئن نہیں کرسکی۔ میرے دل میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(ا) اگر چہرہ کا چھپانا ضروری ہوتا تو اس کے لیے ضرور کوئی صریح حکم ہونا چاہیے تھا۔ قرآن کی جس آیت سے آپ نے چہرہ کا حکم نکالا ہے اس کا مدعا اگر چہرہ چھپانا ہوتا تو "یدنین علیہن" کے بجائے "یدنین علی وجوھھن" کیوں نہ فرما دیا جاتا۔ پھر چونکہ ادنائے جلباب کا مقصد یہ بتایا گیا کہ "ایذا نہ دی جائیں"۔ تو اس صورت میں اگر کسی عورت کو کھلے چہرے بھی ایذا دیئے جانے کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر کیوں یہ پابندی عائد کی جائے۔

(ب) جب اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ساتھ ساتھ پیدا کیا ہے اور عورتیں کہیں بھی مردوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتیں تو ان کے لیے مردوں سے چھپا رہنا سخت تکلیف کا باعث ہے۔ چہرے کے پردہ کی وجہ سے بے شمار کاموں کا حرج ہوتا ہے گرمیوں میں نقاب اوڑھنے سے بڑی گھٹن ہوتی ہے۔ سیر اور ہوا خوری سے استفادہ کرنا ممکن نہیں رہتا۔ از روئے تجربہ چہرے کا کھلا رہنا کسی خاص فتنہ کا باعث نہیں ہے۔ دیہات میں ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں بلکہ نوجوان کنواری لڑکیاں تک کھلے بندوں پھرتی ہیں۔ مگر کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ سوائے شاذ واقعات کے جو شہروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جہاں پردے اور نقاب کا رواج نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ مغرب میں جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کے اسباب دوسرے ہیں۔

جواب :-

(۱) شریعت نے ایمان باللہ کی دعوت سے لے کر زندگی کے معاملات کے احکام تک میں مردوں اور عورتوں کو بالعموم اکٹھا ہی خطاب کیا ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں کے عام قاعدے کے عین مطابق صورت یہی ہے کہ خطاب بظاہر مردوں سے کیا جاتا ہے اور تمام افعال اور حروف اضافت وہی استعمال کیے جاتے ہیں جو طبقہ ذکور کے لیے مروج ہوتے ہیں۔ عورتیں اس عمومی خطاب میں بالتبع مخاطب ہوتی ہیں۔ دنیا میں جہاں مرد و زن کی حقیقی مساوات کا غیر معمولی چرچا ہے وہاں بھی طرز خطاب یہی رائج ہے کہ مردوں سے براہ راست اور عورتوں سے بالتبع کلام کیا جاتا ہے۔ یوں اگر معمولی سی عقل سے بھی کام لیا جائے تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ جن مقاصد کے لیے نماز اور دوسری

عبادات فرض کی گئی ہیں ان کا تعلق جتنا مردوں سے ہے اتنا ہی عورتوں سے ہے جنانچہ یہی دونوں کے لئے عبادات کی فرضیت بھی یکساں ہے مثلاً نماز کا ایک مقصد بتایا گیا ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر — بلاشبہ نماز بے حیائی اور گناہ کی باتوں سے باز رکھتی ہے

اب اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ایک صالح معاشرہ کی تعمیر صرف مردوں کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ عورتوں کا نصف انسانوں اس میں برابر کا حصہ ہے۔ پھر اگر صالح معاشرہ کے لئے مردوں کا فحشاء و منکر سے محفوظ کرنا ضروری ہے تو آخر عورتوں کو فحشاء و منکر سے پاک کرنے کے لئے کوئی اہتمام کیوں نہ ہو۔ یا کیا عورتوں کے لئے نماز کی جگہ کوئی دوسری تدبیر فحشاء و منکرات سے باز رہنے کی شریعت نے تجویز کی ہے؟

اسی طرح نماز کا دوسرا مقصد یوں بیان کیا گیا کہ

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ — صبر (کی خصلت) اور نماز (کی پابندی) کا سہارا لو

کیا اس سہارے سے عورتیں بے نیاز ہو سکتی ہیں اور اس کی ضرورت صرف مردوں ہی کو لاحق ہو سکتی ہے؟

ذیل کی آیت مردوں اور عورتوں کو ایمان، عبادات اور اقامت دین کی ساری ذمہ داریوں کے حق میں جمع کر دینے والی ہیں۔

ان المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین والمؤمنٰت والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین والصٰدقٰت والصٰبرین والصٰبرٰت والخٰشعین والخٰشعٰت والمتصدقین والمتصدقٰت والصآئمین والصّٰئمٰت والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت والذٰکرین اللہ کثیرا والذٰکرٰت اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما ۝

اس آیت میں اسلام، ایمان، قنوت، صدق، صبر، خشوع، صدقہ، روزہ، حفظ ناموس اور ذکر کثیر وغیرہ کو مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے مظہر صفات حمیدہ یکساں گنوایا گیا ہے کہ یہ چیزیں ہیں جو مغفرت و اجر کا موجب ہوں گی۔

قنوت، خشوع اور ذکر کی جامع ترین مظہر نماز ہے اور یہ آیت اس کی طرف کھلا اشارہ کرتی ہے۔ علاوہ ازیں روزہ و صدقہ (زکوٰۃ) کو بھی اس میں گنوایا گیا ہے حالانکہ روزہ کے لئے بھی ایک عورت بہت سے وہ عذر بیان کر سکتی ہے

نبی صلعم کی ازواج مطہرات کو تنبیہ کے طور پر فرمایا گیا کہ:-

عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ۝ پ ۲۸ ع ۱۹

اس میں "قنوت" کے عام وسیع مفہوم کے علاوہ نماز کی طرف بھی اشارہ ہے اور لفظ "عابدات" خود بتا رہا ہے کہ عبادات پنجگانہ کو فرض کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے زائد بطور نفل ادا کرنے والی عورتوں کا ذکر ہے اور یہ صفات مطلوب اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ ازواج مطہرات ان کو نشو ونما دیں۔

لیکن ان ارشادات سے اگر اطمینان نہ ہو تو کھلا حکم بھی موجود ہے۔ ازواج مطہرات ہی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۔

یہاں کھلا کھلا حکم نماز موجود ہے اور اس کے ساتھ زکوٰۃ دینے اور خدا اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہونے کے لئے بھی تاکید ہے۔

مزید دلائل کی ضرورت ہو تو حدیث کی کسی کتاب کو اٹھا کر اس میں کتاب الطہارت، باب مستحاضہ، نکال کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ نبی صلعم کی طرف سے واضح تصریحات ملیں گی۔

یہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ فرض (ڈیوٹی) کوئی بھی ہو، وقت اور آرام کی قربانی چاہتی ہے۔ اور دوسرے مشاغل کو درکنار رکھنے کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ معاملہ جیسے مردوں کے لئے ہے ویسے ہی عورتوں کے لئے ہے بلکہ مردوں کو نسبتاً کہیں زیادہ نازک تر ذمہ داریوں میں گھرے ہونے کے باوجود نماز کے لئے وقت نکالنا ہوتا ہے۔ جیسے کسی کارخانہ کے منیجر، کسی مدرسے کے معلم اور کسی گاڑی کے گارڈ کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ پھر نماز کی اہمیت کا تقاضا اتنا دور تک پہنچتا ہے کہ عین حالت جنگ میں جب کہ گولے برس رہے ہوں سپہ سالار اور سپاہیوں کو نماز ادا کرنی ہوتی ہے۔ پھر اگر کوئی عورت بچوں کے دنگے فساد کا عذر پیش کرے تو اسے کیا وزن دیا جاسکتا ہے۔

ایام خاص کے لئے جو رخصت دی گئی ہے اسے عام حالات پر نہیں پھیلایا جاسکتا۔ ورنہ پھر ہر رخصت

کو عام حالات پر پھیلانا جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً سفر کے لئے قصر کرنے کے قاعدے کو قیام کی حالت میں کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے یا موت کا شکار ہونے سے بچنے کے لئے حرام چیز کھانے کی جو اجازت دی گئی ہے اس سے روزمرہ کے لئے تو کوئی قاعدہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ عذر بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کہ نماز میں توجہ کی یکسوئی ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا نماز سے فائدہ کیا۔ خشوع اور خضوع کی حالت پیدا ہونے میں خارج کے حالات بھی ہر آدمی کے لئے کسی نہ کسی قدر مانع ہوتے اور اس کے دماغ کا داخلی عمل بھی برابر اس میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ لیکن حدیث میں ایک سوال کے جواب میں نبی صلعم نے اس مشکل کا حل یہ فرمایا ہے کہ موافقات اپنا کام کرتے رہیں نمازی کو چاہیئے کہ وہ جب بھی توجہ کے اکھڑ جانے پر متنبہ ہو فوراً بالارادہ پھر یکسوئی پیدا کرے، اور برابر اس کشمکش میں لگا رہے۔

(۲) مولینا نے اپنی کتاب پردہ میں چہرہ چھپانے کے متعلق جو بحث کی ہے اسے براہ کرم پھر مطالعہ فرمائیں۔ اس میں ثابت حکم کو پوری طرح واضح کیا گیا ہے چہرہ انسانی جذبات و احساسات اور مخفی محرکات کا پورا پورا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اور انسان کا ذہن جن مختلف آلات پیغام رسانی کا استعمال کرتا ہے ان میں سے بیشتر چہرے ہی پر جمع کئے گئے ہیں۔ زبان اور ہونٹ بجائے خود تعبیرات کہنے میں لفظوں اور آوازوں کے محتاج ہیں لیکن چہرے کے دوسرے حصے اپنا پیغام دینے کے لئے نہ لفظوں کے ضرورت مند ہیں اور نہ آوازوں کے، بلکہ ان کی ڈکشنری ان کی گرامر اور ان کا ادب نہ لفظوں سے تعلق رکھتا ہے نہ آوازوں سے۔ پیشانی کی سلوٹوں کے اتار چڑھاؤ، آنکھوں کی پتلیوں کی گردش، کمان ابرو کی ناوک اندازیاں، رخساروں کے رنگ کا تغیر، اتنا فائدہ کچھ کر جاتا ہے جو زبان اور لب گفتگو ایڑیاں رگڑتے رہیں تو بھی نہ کر سکیں۔

چہرے کی اہمیت ایسی دو تصویروں سے ظاہر ہو سکتی ہے جن میں سے ایک میں چہرہ بنایا گیا ہو اور دھڑ بھی اور دوسری میں دھڑ دکھایا جائے لیکن چہرے پر سیاہی لیپ دی جائے پردے کا جو قانون کھلے چہرے کے ساتھ ڈھکے ہوئے دھڑ کا مطالبہ کرے اس کی ضرورت و اہمیت پر کوئی آدمی آخر کیا استدلال کرے گا؟

یورپ کی معاشرتی تہذیب کی فتنہ انگیزیوں کی بنیاد صرف کھلے چہرے پر نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عورتوں کا بے نقاب چہروں کے ساتھ گھومنا پھرنا اس تہذیب کے فتنہ انگیز مظاہر میں سے ایک ہے۔ وہ ایک جامع تہذیب ہے۔ جس کا تقاضا ہی یہ ہے اور جس میں اتمام ہی یہی چلتا ہے۔ اس میں نقاب پوش چہرے کی

کھپت ہی نہیں۔ لیکن اس کے بالمقابل مغربی تہذیب کے مجموعے کو اگر آپ دیکھیں تو اس میں بے نقاب چہرے کے لیے جگہ پیدا کرنے میں دھاندلی سے کام لئے بغیر چارہ نہیں۔ جہاں اوڑھنی پر پابندیاں ہوں (یہاں تک کہ نماز میں امام کو لقمہ دینے میں بھی عورتوں کے لئے ایک خاص محتاط صورت تجویز کی گئی ہو) خوشبو لگانے پر پابندیاں ہوں، زینت کے اظہار پر پابندیاں ہوں، بجنے والے زیورات پر پابندیاں ہوں، پاؤں زور سے مار کر چلنے میں پابندیاں ہوں، لباس تک کے اظہار پر پابندیاں ہوں وہاں کھلے چہرے کے لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے کوئی مقام نکالا جا سکتا ہے۔

ہمارے دیہات اور شہر دونوں کے دونوں کھلے چہروں کے ساتھ بھی اور ڈھکے چہروں کے ساتھ بھی سخت قسم کے معاشرتی مفسدات سے دوچار ہیں۔ اور اس میں جتنا دخل بے نقابی کا ہے اتنا ہی دخل اس اہتمام نقاب کا بھی ہے جو اطاعت خدا و رسول کے جذبے کے بجائے رسم پرستی کے طور پر کیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی پوری معاشرتی سکیم میں سے اگر آپ ایک اہتمام نقاب کو اختیار کئے پھریں تو اس سے آخر نظام معاشرت کو کونسا سرخاب کا پر لگ جائے گا۔ اور اتنی سی کارروائی سے اس بات کی ضمانت کیسے مل جائے گی کہ عشق و معاشقہ بے حیائی اور اغوا کے مفاسد کا دروازہ نہ کھلنے پائیگا۔

"یدنین علیھن من جلابیبھن" (وہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں) کے حکم میں اگر آپ یدنین کے لفظ پر غور کریں تو اس سے سراپا کو ڈھانپنے کا تصور حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ چادریں سروں کے اوپر سے پورے جسموں پر ڈالی جانی مطلوب ہیں۔ آخر کس گرامر اور کس ادب کی رو سے آپ چہرے کو الگ نکال لے جائیں گی۔ یہ البتہ جداگانہ بات ہے کہ شریعت کا مطالبہ یعنی برقعے کا نہیں، بلکہ چادر کی بکل مارنے اور گھونگھٹ نکالنے کی حد تک ہے۔ یہ کام آپ چاہیں تو برقعے سے لیں اور چاہیں تو بڑی چادر سے۔

جہاں تک سینہ ڈھانپنے اور بازار گردی کا تعلق ہے "وقرن فی بیوتکن" کے اصولی حکم کے تحت اسلامی نظام معاشرت کے تحت زندگی بسر کرنے والی عورتوں کے لئے اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ بحالی صحت کے لئے کوئی حرج نہیں کہ عورتیں اپنے محرم مردوں اور بچوں کے ساتھ مناسب اوقات میں اور ایسی اطراف میں جہاں مردوں کی آمدورفت نہ ہو۔ اعتدال کی حد تک چہل قدمی کریں۔ جہاں بے پردگی کا اندیشہ نہ ہو گھونگھٹ

یا نقاب ہٹا لیں اور جہاں ایسا اندیشہ محسوس ہونے لگے وہاں محتاط ہو جائیں۔

یہ دلیل کوئی دلیل نہیں۔ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں لہٰذا ان کو ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور گھومنا پھرنا بھی لازم ہو گیا۔ اس دلیل سے تو آپ اول سے آخر تک مغربی تہذیب کی ہر چیز کو جائز قرار دے سکتی ہیں، بلکہ اس سے بھی چند قدم آگے جا سکتی ہیں۔ محرم و غیر محرم کی تقسیم قرآن و حدیث کی قطعی نصوص کی رو سے اٹل ہے اور اس تقسیم کا لحاظ کئے بغیر ایک مسلمان خاتون آخر کیسے پابند اسلام ہو سکتی ہے۔

بحمد اللہ کہ آپ کے اندر اسلام سے بغاوت کا جذبہ موجود نہیں ہے آپ کے لئے اتنا کافی ہے کہ خدا و رسول کے احکام آپ کو معلوم ہو جائیں

بیگم لیاقت علی خان اور مسئلہ تعدد ازدواج

سوال:-

بیگم لیاقت علی خان اپنے دورہ امریکہ کے دوران میں مختلف مقامات پر جس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکی ہیں، ان کے متعلق ہمیں کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ پاکستان میں انہیں جو قابل رشک مجلسی مقام حاصل ہے اس کے پیش نظر وہ ہر بات تحکم کے ساتھ کہہ سکتی ہیں۔ انہی کی رائے وقیع بھی سمجھی جانی چاہیئے۔ لیکن ایک خاص مسئلہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق میں آپ کی راہنمائی طلب کرنا چاہتا ہوں۔

پاکستان کی خاتون اول نے ۱۰ر مئی سنہ ۱۹۵۰ء کو نیویارک میں کہا ہے کہ "میں ذاتی طور پر اس بات کے حق میں ہوں کہ مرد صرف ایک بیوی کریں..... ممکن ہے کہ پاکستان میں ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر قانونی پابندی لگا دی جائے"

جہاں تک ہمیں علم ہے قرآن میں مردوں کو ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر اس کے متعلق قرآن میں واضح حکم موجود ہے تو اس کے خلاف کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہونی چاہیئے۔ قرآن کے واضح حکم کی موجودگی میں کسی شخص کو یہ حق

حاصل نہیں کہ وہ اس کو اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کے پیمانہ پر ناپنے کی کوشش کرے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اگر اب تک اس میں اسلامی نظام کا نفاذ نہیں کیا جا سکا، جب بھی ہمیں ملک کے ارباب بست و کشاد کے دعاوی و اعلانات کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ پاکستان میں قرآن کے ابدی ضابطہ جات کے سوا کوئی نظام نافذ نہیں کرنا چاہتے۔ مجلس دستور ساز کی منظور کردہ قرار داد مقاصد سے بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی نظام کا نفاذ کرتے ہوئے ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم قرآنی احکامات میں رد و بدل کر سکیں۔ اگر ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی قرآن اجازت دیتا ہے تو پاکستان کے اسلامی خاکہ میں اس پر قانوناً پابندی عائد کرنا خارج از بحث ہے۔ اس صورت میں ہم پاکستان کے نظام کو "اسلامی" کا نام نہیں دے سکیں گے۔ اگر پاکستان میں اس قسم کی پابندیاں لگانے کا حق یہاں کی اسلامی حکومت کو حاصل ہے تو قرآن کے حکم کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے

امید ہے آپ کسی قریبی اشاعت میں اس سوال پر اظہار خیال کر کے میری ذہنی خلش کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

جواب :-

ان لوگوں کے فتووں کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا اور شریعت میں ان کے بارے میں دلائل تلاش کرنا فضول ہے ان کا اسلام الگ ہے، جسے یہ ضروریات کے مطابق ساتھ کے ساتھ گھڑ رہے ہیں۔ اور ساتھ کے ساتھ اسے نافذ کر رہے ہیں۔ ان کے لئے وہ اسلام کام کا نہیں ہے جو ان سے کوئی اپنی بات منواتا ہو۔ بلکہ انہیں وہ اسلام درکار ہے جو ان کے پیچھے پیچھے چلے حضور گھنٹا ہوا شراب خانوں، رقص گاہوں اور ضیا پاروں میں گھومتا پھرے۔ یہ زبانی طور پر اگرچہ نام خدا کے آثار ے ہوئے قرآن ہی کا لیتے ہیں۔ لیکن عمل کے لئے اپنا علیحدہ قرآن مرتب کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں جس قسم کے نظام پر چاہیں "اسلامی ریاست" کا لیبل لگا دیں۔ ان کے ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔

آزمائش نعمت

سوال :-

عموماً لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان ایک دولتِ خداداد ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بیک وقت ایک طرف تو اللہ تعالےٰ مسلمانوں کی اتنی بڑی عزت افزائی کرتے ہیں کہ ان کو ایک بڑی اسلامی سلطنت عطا فرماتے ہیں اور دوسری طرف ان پر اتنے غضب ناک ہوتے ہیں کہ کروڑوں مسلمانوں کی جان، مال اور ناموس اپنے دین کے دشمنوں کے ہاتھوں سے غارت کراتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے واقعی حکومت دے کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ یا کہیں اسپین کی تاریخ تو نہیں دھرائی جا رہی۔

قابلِ غور چیز یہ ہے کہ حکومت کے لیے بہرحال کچھ صلاحیتیں (روحانی، اخلاقی اور مادی) مطلوب ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کی اخلاقی حالت سو ڈیڑھ سو سال پہلے سے پست تر ہے۔ بہت سے مفاسد جو آج عام ہو چکے ہیں پہلے ان کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ان حالات کو دیکھیں تو تاریخ کی شہادت خدا کے قوانین کے متعلق یہ نظر آتی ہے کہ اخلاقی انحطاط کی حالت میں وہ دی ہوئی سلطنتیں بھی چھین لیتا ہے۔ پھر آخر ان قابلِ سزا حالات میں اتنی بڑی کرم فرمائی کی حقیقت کیا ہے ؟

جواب :-

خداداد تو اللہ تعالےٰ کی ہر نعمت کو کہا ہی جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ادبار و نکبت اور ذلت و پستی کے حملے کی طرح بسا اوقات خود نعمت بھی آزمائش بن کر وارد ہوتی ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں، کہ ایک ہی گروہ کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک کو ذلت کی آزمائش میں ڈالا گیا اور دوسرے کو اقتدار کی آزمائش میں۔

ایک گرتی ہوئی قوم کو بہترین حالات فراہم کر کے ایک زرین موقع بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اگر وہ فی الواقع سنبھلنا

چاہتی ہے تو سنبھل لے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے پاس راہ حق پر مستقیم نہ ہو سکنے کے جتنے عذرات ہوتے ہیں ان کو ختم کر دیا جاتا ہے کہ لو اب تم اپنی نیتوں اور عزائم کا پورا پورا مظاہرہ کر لو۔ اس طرح کی آزمائش قسمت میں گھرنے والی قوم اگر خوش نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالٰی کے دیئے ہوئے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور نہ صرف خود پستی سے ابھر آتی ہے بلکہ وہ دوسری اقوام کو بھی سہارا فراہم کرتی ہے۔ لیکن اگر اس کے اعمال کی نحوست اس پر بالکل مسلط ہی ہو گئی ہو اور وہ خداداد موقع کو ضائع کر دے اور یہ ثابت کر دے کہ اس کی ساری عذر تراشیاں جھوٹی تھیں کوئی ارادۂ اصلاح ان کے پیچھے موجود ہی نہیں تھا، تو پھر جتنی بڑی نعمت دی گئی ہوتی ہے اتنا ہی بڑا عذاب اس کی اوٹ میں سے برآمد ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں کہا جا رہا ہے کہ انگریز کی غلامی اتباعِ اسلام میں حائل ہے اور ہمیں ایک الگ خطۂ ارضی اگر میسر ہو جائے تو ہم خدا کی کتاب کے ایک ایک شوشے کو زمین پر قائم کر کے دکھا دیں گے۔ ہمیں آزادی ملے تو بس پھر ہم ہوں گے اور اسلام ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے ان دعادی اور اعلانات کو کسوٹی پر رکھنے کے لئے مطلوبہ خطۂ ارضی بھی فراہم کر دیا ہے اور انگریزی اقتدار کی سِل کو بھی ہمارے سینوں سے ہٹا لیا ہے اب یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم اپنے آپ کو سچا ثابت کریں یا جھوٹا؟ اور ہماری کوششیں اسی کو پیدا کرنے کے لئے وقف ہیں) تو نہ صرف ملتِ پاکستان خود سنبھل جائے گی اور اللہ کی مزید نعمتوں کی مستحق ہوگی بلکہ دوسری مسلم اور غیر مسلم اقوام کے لئے ابھرنے کا سہارا بنے گی۔ اور اگر بدقسمتی سے تذکیر کی ساری کوششیں ناکام گئیں اور اللہ کی نعمت سے اجتماعی طور پر مذاق کرنے کا سلسلہ جاری رہا تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ کیا کچھ نہ ہوگا۔

جس صورتِ حالات میں ہم گھرے ہوئے ہیں اس کا ٹھیک ٹھیک تقاضا یہ ہے کہ دل و دماغ کی ایک ایک رمق، دوڑ دھوپ کا ایک ایک لمحہ اور جیب کی ایک ایک کوڑی اصلاح کی منظم جدوجہد میں جھونک دی جائے ورنہ بڑے بڑے متقی کا حشر فاسقین کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

سوال:۔

پرسوں کی بات ہے ایک ذمہ دار دوست سے سننے میں آیا کہ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کی نمازِ جنازہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ مگر میں نے نہیں مانا واپسی میں گھر

"اگر ترجمان القرآن بابت ماہ رمضان و شوال سنہ ۱۳۶۴ھ یعنی جلد ۲۶ کا عدد ۳، ۴ کھولا تو اس کے ص ۲۱۲ پر یہ عبارت کبھی دیکھی "آخر جب آپ نماز پڑھانے کھڑے ہو ہی گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور براہ راست حکم خداوندی سے آپ کو روک دیا گیا"۔ تحقیق حق کے لئے میں عرض کرتا ہوں کہ بخاری شریف کتاب الجنائز میں موجود ہے کہ فصلی علیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم انصرف فلم یمکث الا یسیراً حتے نزلت الآیتان من براءۃ ولا تصل علی احد منھم مات ابداً الی قولہ" اس سے تو حضور کا نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری کتب تفسیر مثل بیان القرآن از مولانا اشرف علیؒ۔ حاشیہ قرآن مولانا عثمانیؒ اور انگریزی تفسیر القرآن از جناب محمد علی صاحب لاہوری میں مذکور ہے۔ ان کے اقتباسات اس لئے نہیں لکھے کہ انہوں نے بھی امام بخاریؒ کا ہی حوالہ دیا ہے۔

جواب:۔

اس مسئلے میں دو طرح کی روایات ہیں۔ ایک روایت وہ ہے جو احمد، بخاری۔ ترمذی اور نسائی وغیرہم نے ابن عباس سے نقل کی ہے۔ جس میں یہ ذکر آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکتے رہے مگر حضور نے اس پر نماز پڑھی اور بعد میں یہ آیت نازل ہوئی ولا تصل علی احد منھم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ۔ اس کی تائید بخاری و مسلم وغیرہ کی وہ روایت بھی کرتی ہے جو ابن عمر سے منقول ہے۔ دوسری روایت وہ ہے جو امام ابوجعفر طبری نے اپنی تفسیر میں اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت انسؓ سے نقل کی ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی پر نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو جبریلؑ نے آکر منع کیا اور یہ حکم سنایا ولا تصل علی احد منھم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ ان دونوں قسم کی روایات میں سے میں نے دوسری روایت کو اس کی سند کے ضعف کے باوجود اس لئے پسند کیا ہے کہ یہ قرآن سے متعارض نہیں ہے۔ رہیں پہلی قسم کی روایات، تو اگرچہ ان کی سند قوی ہے۔ مگر ان میں متعدد باتیں ایسی ہیں جو قرآن سے متعارض واقع ہوئی ہیں ان احادیث کے متن میں جو اشکالات ہیں ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مرحوم علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار کی جلد دہم میں صفحہ ۵۷۵ سے ۵۸۰ تک

مفصل بحث کی ہے۔ براہ کرم اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

جاگیروں کی تحقیق

سوال:۔

جاگیروں کے مسئلہ میں ایک کشمکش ہے۔ آپ کا ایک مکتوب اس مسئلے کے متعلق رہائی سے قبل کوثر (لاہور) میں شائع ہوا تھا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ جاگیروں کی باقاعدہ تحقیقات ہونی چاہیے۔ پھر ان میں سے جو بھی ناجائز ثابت ہوں انہیں بلاشبہ چھین لینا چاہیے۔ اس سلسلہ میں آپ کی توجہ شامی ج ۳ ص۲۵۵ کی ایک بحث کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس بحث کی یہ عبارت قابلِ غور ہے۔

الملک الظاہر بیبرس فانہ اراد بمطالبہ ذوی العقارات بمستندات تشہد لھم بالملک والا انتزعہا من ایدیھم متعلاً بھا تعلل بہ ذالک الظالم فقام علیہ شیخ الاسلام الامام النووی واعلمہ بان ذلک غایۃ الجہل والعناد وانہ لا یحل عند احد من علماء المسلمین بل من فی یدہ شیء فہو ملکہ لا یحل لاحد الاعتراض علیہ ولا یکلف اثباتہ ببینۃ ولم یزل النووی یشنع علی السلطان ویعظہ الی ان کف عن ذلک۔ (الشامی باب الجزیہ والخراج)	شاہ ظاہر بیبرس نے مالکانِ اراضی سے مطالبہ کیا کہ وہ ملکیت کا ثبوت پیش کریں ورنہ ان کی زمینیں حکومت اپنے قبضہ میں کرے گی اور اس معاملہ میں بہانہ وہی بنایا جو (اس سے پہلے دوسرے) ظالم راجہ بادشاہ نے اختیار کیا تھا اس موقع پر امام نووی نے ہمت و جرأت سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کو بتلایا کہ یہ طرزِ عمل انتہائی جہالت اور سرکشی کا مظہر ہے اس کو کوئی بھی عالم جائز نہیں قرار دے سکتا۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس کے قبضہ میں جو چیز ہے وہ اسی کی ملک ہے اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں اور نہ ملکیت کے ثبوت کیلئے گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مالک پر عائد ہوتی ہے امام نووی نے اس طرح کی مذمت کی اور وہ اس حرکت سے باز آگیا

غرض یہ ہے کہ اس بحث کی روشنی میں آپ مسئلہ کو ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ مولینا شبیر احمد عثمانی نے ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں ایک فتویٰ شائع کیا تھا جس کا

ماحصل یہ تھا کہ اصحاب اراضی سے ثبوت ملکیت کے لئے بیّنہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

جواب :-

امام نووی نے جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مالکان اراضی سے ثبوتِ ملکیت طلب کرے۔ اور پھر جو اپنی ملکیت کو قانون کی نگاہ میں ثابت نہ کر سکے اس سے وہ سلب کرے۔ یہ بالکل ایسی ہی صورت ہے جیسے قانون یہ کہے کہ جو شہری اپنے آپ کو بے گناہ نہ ثابت کر دے اس کو حوالۂ تعزیر کیا جائیگا ظاہر ہے کہ کوئی عقل مند آدمی اس شکل کو صحیح نہیں قرار دے سکتا۔ بخلاف اس کے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس شہری کے خلاف کوئی جرم عدالت کے سامنے ثابت کر دیا جائے صرف اس پر تعزیر وارد ہوگی۔ اس طرح زمینوں یا دوسرے اموال کے سلب ملکیت کے لئے کسی فرد یا حکومت کو بطور مدعی یہ ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ یہ چیز ناجائز طور پر کسی نے ملکیت میں لی تھی یا اب اس کا اس کی ملکیت میں رہنا ناجائز ہے۔

امام نووی کا قول تحقیق کی ضرورت کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تحقیق کے الٹے طریقے سے کام لینے کی تردید میں وارد ہے۔

رویتِ ہلال اور لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں

سوال :-

(۱) پچھلے دنوں محکمۂ موسمیات (کراچی) کے اسٹڈی سرکل کی ایک مجلس میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی ایک تقریر ہوئی جس کا عنوان تھا " رویتِ ہلال سائنٹفک نقطۂ نگاہ سے "۔ تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ ہمارے مذہبی تقاریب مثلاً عید الفطر، عید الاضحیٰ وغیرہ کے دنوں کے تعین میں ہمیشہ اختلاف ہوتا ہے۔ پھر کیوں نہ ان ایام کو پہلے سے متعین کر لیا جائے۔ جب سائنس اور ریاضی کی مدد سے حساب لگا کر ایسا کرنا ممکن ہے۔ اس مجلس میں چند علما بھی شریک تھے۔ جن میں سید سلیمان صاحب ندوی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ دراصل چاند کا وقوع اور چاند کا شہود دو مختلف چیزیں ہیں۔ اور شریعت کی رو سے شہود مقصود ہے۔ نہ کہ وقوع۔ چنانچہ انہوں

نے ریاضی سے حساب لگا کر رویت ہلال کو پیشگی متعین کرنے یا ہوائی جہاز پر سوار ہو کر بادلوں سے اوپر جا کر چاند دیکھنے سے اختلاف کیا۔ سید صاحب کی یہ رائے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ایک معمانی ہوئی ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟

(۲) ایسا ہی ایک مسئلہ لاؤڈ سپیکر کے ساتھ امامت نماز کرانے کا ہے۔ علماء زیادہ سے زیادہ اذان میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال گوارا کرتے ہیں۔ لیکن نماز میں وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ حالانکہ لاؤڈ سپیکر خود امام ہی کی آواز کو منتقل کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعے نماز کے نظم کو زیادہ اچھی طرح برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

جواب:۔

آپ کے سوال کے پہلے جز کا جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کے بارے میں دونوں ہی مسلک پائے جاتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ایک ملک میں تقاریب کا ایک ہی وقت میں ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ سائنس کے آلات اور علم الافلاک کے حسابات کی رو سے رویت ہلال کے وقت اور ان کا قطعی تعین کرنے کو مناسب سمجھتے ہیں لیکن دوسری طرف کثرت سے رائیں اس مسلک کے حق میں ہیں کہ رویت ہلال کے بارے میں فطری ذرائع پر انحصار کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہ تقاریب کا ایک بڑے ملک میں ایک ہی وقت میں ہونا نہ ضروری ہے نہ صحیح۔

ہماری رائے میں نصوص کی رو سے دوسرا مسلک ہی قابل ترجیح ہے۔ شریعت نے لوگوں کو اس کا مکلف نہیں کیا ہے۔ کہ وہ ہزاروں فٹ کی بلندی پر جا کر چاند دیکھیں۔ بلکہ انہیں یہ سیدھا سادہ فطری طریق بتایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھ لو اور چاند دیکھو تو عید کر لو۔

احادیث کی رو سے کسی بڑے ملک یا برعظیم یا پوری دنیا میں بیک وقت رمضان یا عید کے وقوع کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اب تو فلکیات کا علم بتاتا ہے کہ رویت ہلال کا ہر جگہ ایک ہی دن ہونا ضروری نہیں اختلاف مطالع کی اہمیت کے پیش نظر کسی مقام کی رویت ہلال کو دور دراز کے علاقوں کے لئے حجت نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔ جب چاند کا وقوع مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں ہوتا ہے۔ تو پھر ایک مقام کی رویت ہلال کو دوسرے مقامات کے لئے کیسے واجب القبول قرار دیا جاسکتا ہے۔ شریعت میں ایک شہر اور اس کے مضافات کی رویت ہلال

اس شہر کے لئے وہیں ہو سکتی ہے اس طرح کے ہر یونٹ میں رمضان اور عیدوں کا وقوع بیک وقت ہونا چاہیئے
سوال کے دوسرے جز کے جواب میں واضح ہو۔ کہ ہم اپنے علم کی حد تک لاؤڈسپیکر کے استعمال کو نماز کے
دوران میں جائز سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بہت تفصیلی بحث ترجمان القرآن (غالباً ۱۳۶۰ھ کے فائل) میں پیش
کی جا چکی ہے۔ لاؤڈسپیکر امام نمازہی کی آواز کو بلند کر کے نمازیوں تک پہنچاتا ہے۔ اور اشخاص کو مکبّر بنانے کے
مقابلے میں یہ تکبیراتِ صلوٰۃ کو زیادہ صحت کے ساتھ اور زیادہ بروقت بلند کرتا ہے۔ آخر اللہ کے پیدا کردہ آلات
و ذرائع سے خود اللہ ہی کا نام بلند کرنے کا کام لینا جائز نہ ہوا تو کیا پھر انہیں شیطان کا حکم بلند کرنے کے لئے مخصوص
ہونا چاہیئے؟

سوال:۔

آپ کے حسب ارشاد اسلام کے برسرِاقتدار آنے پر ہر فرقے کے لوگوں کو ان کے عقائد کے
مطابق عبادت کرنے کی اجازت ہوگی۔ اب اگر ایک فرقہ کا طرزِ عبادت دوسرے کو ناگوار گزرے
تو کیا حکومتِ وقت (اسلامی) اس کا تدارک کرے گی؟۔ یا لوگ اپنے اپنے گھروں ہی میں
عمل پیرا ہوں گے؛ مثلاً شیعہ حضرات کا تعزیہ اور گھوڑا اور ماتمی جلوس وغیرہ، دوسرے اہل
اسلام کو ناگوار ہے تو کیا شیعہ اصحاب علانیہ برسرِعام ایسا کر سکیں گے۔ بعض شیعہ حضرات اسلامی
نظام سے صرف اسی وجہ سے خائف ہیں۔

نیز کیا شیعہ حضرات رمضان میں دن کے وقت سنیہ کوبی کرتے ہوئے سوڈے کی بوتلیں اور لسی
کے گلاس چڑھاتے ہوئے بازاروں سے گزر سکیں گے۔ حکومت کا رویہ کیا ہوگا؟

جواب:۔

اسلامی حکومت کے بارے میں کوئی اصولی بات دریافت کی جائے تو وہ تو بیان کی جا سکتی ہے لیکن
ہمارے دائرہ عمل سے یہ خارج ہے کہ ہم مختلف فرقوں کے بارے میں اسلامی حکومت کے طرزِعمل کی پیشین گوئیاں
کریں۔ جو کام مستقبل کی اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ یا اس کی عدالتوں یا اس کے محکمۂ احتساب ہی کو کرنا ہے۔
اسے آج ہم لوگ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی معقول روش نہیں ہو سکتی کہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جو

لوگ جدوجہد کر رہے ہوں وہ اُٹھ کے بعض افراد یا بعض فرقوں کی پیشانی پر ان کے مستقبل کے بارے میں مہریں لگانا شروع کر دیں۔ کہ ان سے کل یہ سلوک کیا جائیگا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کل کی اسلامی حکومت کے ظہور پذیر ہونے پر کونسا فرقہ کیا پوزیشن اختیار کرے گا۔ اور حالات میں کیا کیا تبدیلیاں آچکی ہوں گی۔ پھر آخر پیشگی فتوے لگانے اور قانونی فیصلے کرنے سے بجز اس کے اور کچھ حاصل ہو بھی سکتا ہے کہ مختلف فرقوں میں فرقہ واریت کی حس کو اکسایا جائے۔ اور ایک دوسرے کے لئے دلوں کے دروازے بند کرائے جائیں۔ یہ خوب سمجھ لیجئے کہ ہمارا موقف داعی کا ہے جج اور کوتوال کا نہیں۔ ہم دلوں کے بند دروازوں کو کھولنے اور ان پر سے فرقہ وارانہ عصبیتوں کے تالے کھولنے اٹھے ہیں، نہ کہ انہیں اور مضبوط کرنے کے لئے!

اصولاً جو باتیں کہی جاسکتی ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) اسلامی نظام حکومت میں مذہبی گروہوں کی نوعیتیں دو ہو سکتی ہیں ایک وہ گروہ جو چاہے فروعی اختلافات رکھتے ہوں (اور یہ ثابت ہے کہ خلافت راشدہ میں خوارج تک کے اختلافات کے لئے گنجائش دی گئی تھی) اپنی عبادات، تقاریب، شادی بیاہ کے تعلقات اور سیاسی و معاشرتی حقوق میں مسلمانوں کی سوسائٹی سے علیحدگی نہ چاہیں۔ دوسرے وہ گروہ جو اپنے اختلافات کو اتنا اصولی سمجھیں کہ عبادات و تقاریب، مجلسی روابط اور سیاسی حقوق کے لحاظ سے علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ ان دونوں قسم کے گروہوں کی الگ الگ حیثیتیں ہیں۔ اور اسلامی ریاست کی حدود میں دونوں کے لئے جگہ ہے۔ یہ ہر فرقے کی آزادی پر منحصر ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے لئے کیا مقام چاہتا ہے۔

(۲) ایسے مظاہرات جن سے اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کی تردید یا تحقیر ہوتی ہو، اسلام کی اخلاقی سطح سے گرے ہوتے ہوں۔ عامۃ المسلمین یا کسی دوسرے فرقے کی دلآزاری کرنے والے ہوں یا جن سے کسی طرح کی فتنہ انگیزی مطلوب ہو۔ ان کی روک تھام کے لئے ملک کی پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) کو بہرحال اسلام کے بنیادی قوانین کی روشنی میں کچھ قواعد و ضوابط بنانے ہوں گے۔ لیکن ان کے ماسوا اگر برسرعام کسی طرح کے مذہبی یا سیاسی مظاہرات کئے جائیں تو ان سے نہ کسی مسلم کو روکا جاسکتا ہے نہ غیر مسلم کو۔

(۳) ہر وہ فرد جو اپنے آپ کو ریاست کے مسلمان شہریوں میں شامل کرے، رمضان کے کم از کم ظاہری

احترام کا اخلاقاً اور قانوناً دونوں طرح پابند ہوگا۔ وضعیں اگر کچھ ہو سکتی ہے، تو صرف ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو غیر مسلم شہریوں کی حیثیت میں رکھنا چاہیں۔

خریداران ترجمان القرآن سے

التماس

ا:۔ چندہ کے منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ صاف خوشخط لکھئے (خصوصاً ڈاکخانہ اور ضلع کا نام انگریزی کے بڑے حروف میں درج کیجئے) سابق نمبر خریداری بھی

۲:۔ تبدیلی پتہ کی فرمائش مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک دفتر کو پہنچ جانی چاہیئے جس میں پہلا اور نیا تبدیل شدہ پتہ دونوں نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ درج ہوں

۳:۔ اجرائے رسالے کے لئے پیشگی چندہ بھیجئے یا وی۔ پی کی اجازت دیجئے۔ قرض یا وعدہ پر رسالہ جاری نہیں کیا جاتا۔

اگر خدانخواستہ آپ ان گذارشات کو نظر انداز کریں گے تو دفتر کی مجبورانہ کوتاہیوں کی ذمہ داری آپ پر ہوگی

"مینجر"